36

بچوں کی تعلیم کے متعلق ماں باپ اور استادوں کے فرائض

(فرمودہ 26/ اکتوبر 1945ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"چونکہ آج پھر میری کمر درد میں زیادتی ہوگئی ہے اور میں زیادہ دیر تک کھڑا نہیں ہو سکتا اس لئے میں آج نئے موضوع کو شروع کرنے کی بجائے گزشتہ خطبہ جمعہ میں جو میں نے تعلیم کے متعلق جماعت کو توجہ دلائی تھی اُس کے متعلق مزید توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ تعلیم بہت حد تک اخلاق کی درستی کا بھی موجب ہوتی ہے۔ اس کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو طالب علم صحیح طور پر اپنی تعلیم کی طرف متوجہ ہو اُس کے پاس اِتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ آوارہ گردی کر سکے۔ اسے مدرسہ آنے جانے اور مدرسہ میں پڑھنے کے لئے کم از کم ساڑھے چھ سات گھنٹہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سکول جانے سے پہلے تقریباً آدھا گھنٹہ اُسے ناشتہ کرنے، کتابیں سنبھالنے اور سکول پہنچنے میں لگ جاتا ہے۔ اسی طرح سکول سے گھر واپس آنے تک بھی آدھ گھنٹہ لگ جاتا ہے اور اگر پانچ گھنٹے سکول کی پڑھائی کا وقت سمجھا جائے تو چھ گھنٹے کے قریب اِس طرح لگ جاتے ہیں۔ اگر گھر دُور ہو تو سات گھنٹے لگ جائیں گے۔ اگر طالب علم دیانتداری سے اپنا سکول کا کام کریں اور والدین ان کی نگرانی کریں تو کم از کم تین گھنٹے گھر پر سٹڈی (Study) کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ سات اور تین دس

گھنٹے ہوئے۔ اور اگر ماں باپ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ اُن کا لڑکا مسجد میں باجماعت نماز کے لئے جاتا ہے یا نہیں اور میرے نزدیک اِس بات کا خیال نہ رکھنا ایمان کی کمی کی علامت ہے تو پانچوں نمازوں کے لئے اُسے دو گھنٹہ وقت کی ضرورت ہے۔ پھر اگر سکول والوں نے اُس کی ورزش کے لئے کھیل کا کوئی انتظام کیا ہے اور کھیل میں اُس کا شامل ہونا ضروری رکھا ہے تو دو گھنٹے اُسے کھیل کے میدان میں آنے جانے اور کھیلنے میں لگ جائیں گے۔ یہ کُل چودہ گھنٹے ہوئے۔ اور بچوں کی صحت کے لحاظ سے ان کے لئے سات گھنٹے کی نیند ضروری ہوتی ہے۔ اگر زیادہ سوئیں تو آٹھ گھنٹے کافی ہوتے ہیں اور آدھ گھنٹہ نیند آنے تک اور آدھ گھنٹہ نیند سے بیدار ہونے اور کسی دوسرے کام کو شروع کرنے تک سمجھا جائے۔ اور نیند کے لئے بجائے سات کے آٹھ گھنٹے سمجھ لئے جائیں تو آٹھ اور ایک یہ نو گھنٹے ہو گئے اور چودہ اور نو کُل تئیس گھنٹے ہو گئے۔ باقی ایک گھنٹہ کھانے پینے، پیشاب پاخانہ اور دوسری حاجات کے لئے رہ جاتا ہے۔ درحقیقت اِس سے بھی زیادہ وقت ان حوائج پر لگ جاتا ہے۔

پس طالب علموں کی زندگی کا یہ چوبیس گھنٹے کا پروگرام ہے۔ اگر بچوں کا اِس رنگ میں پروگرام ہو تو ناممکن بات ہے کہ اُنہیں آوارہ گردی کے لئے وقت مل سکے۔ اور اگر والدین اُنہیں اِس پروگرام پر عمل کرائیں گے تو اُنہیں سب کام بھی وقت پر سرانجام دینے کی عادت ہو جائے گی۔ اگر ایک طالب علم محنت سے کام کرے اور اپنے وقت کی قدر کرے اور والدین اُس کی نگرانی کا خیال رکھیں تو وہ دس سال میں میٹرک اور چودہ سال میں بی اے پاس کر سکتا ہے۔ اور اگر دینیات کی تعلیم حاصل کرے تو آٹھ سال پہلے مڈل پاس کرنے تک اور آٹھ سال جامعہ میں یعنی کُل سولہ سال میں دینیات کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ گو تمام طالب علم دس سال میں میٹرک اور چودہ سال میں بی اے پاس نہیں کر سکتے۔ ان میں کئی ایسے ہوتے ہیں جو بعض دفعہ فیل ہو جاتے ہیں۔ بعض طالب علم تو پورے طور پر پڑھائی میں دل نہ لگانے کی وجہ سے اور تعلیم کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ سے فیل ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی دماغی قوت اچھی نہیں ہوتی اور اُن کا حافظہ کام نہیں کرتا۔ باوجود یاد کرنے کے انہیں یاد نہیں ہوتا۔ میں نے اس کے متعلق کئی دفعہ یہ واقعہ سنایا ہے کہ ہمارے ہاں ایک نوکرانی تھی جس کا حافظہ

بہت کمزور تھا۔ اُسے جب کبھی قرآن مجید پڑھنے کے لئے کہا جاتا تو وہ یہ کہہ دیتی کیا کروں کوشش تو کرتی ہوں لیکن میرا حافظہ اچھا نہیں اس لئے مَیں نہیں پڑھ سکتی۔ اس کے حافظہ کی یہ حالت تھی کہ صبح کو وہ ایک آیت یاد کرنے لگتی اور شام تک اُسی ایک آیت کو یاد کرتی رہتی۔ اتفاق سے اُس کی شادی بھی ایک ایسے شخص سے ہوئی جو ملّاں تھے اور اُنہیں دین کا شوق تھا۔ وہ صبح کے وقت اپنے خاوند سے ایک آیت پڑھ لیتی اور سارا دن اُسے یاد کرتی رہتی۔ ایک دن وہ عصر کے وقت مصالحہ پیستی جارہی تھی اور ساتھ ساتھ اپنا سبق بھی دُہراتی جارہی تھی۔ اور وہ سبق یہ تھا۔ "جابھانوں آبھیناں۔ جابھانوں آبیناں۔" کسی نے پوچھا یہ کیا کہہ رہی ہو؟ تو اُس نے جواب دیا میں قرآن مجید یاد کر رہی ہوں۔ جب اسے کہا گیا کہ یہ تو قرآن مجید کی آیت نہیں ہے تو اس نے جواب دیا کہ انہوں نے تو مجھے یہی پڑھایا۔ اُس کی مراد اپنے خاوند سے تھی کہ اُس نے مجھے یہی سبق دیا ہے۔ آخر اُن سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس کا سبق يَعْلَمُ مَا بَيْنَ [1] تھا جو صبح سے بگڑتے بگڑتے شام تک "جابھانوں آبھیناں" بن گیا۔ تو بعض طالب علم کمزور حافظے والے بھی ہوتے ہیں۔ جو طالب علم ایسے ہوں گے وہ دس کی بجائے گیارہ یا بارہ سال میں میٹرک کرلیں گے۔ لیکن جو اچھے حافظے والے ہیں وہ دس سال میں میٹرک اور چودہ سال میں بی اے کرلیتے ہیں۔ اور بچے عام طور پر عمر کے پانچویں یا چھٹے سال سکول میں داخل ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے طالب علم میٹرک پندرہ سولہ سال کی عمر میں اور بی اے اُنیس بیس سال کی عمر میں اور دینیات کا علم بیس اکیس سال کی عمر میں حاصل کرلیتے ہیں۔ اور بچوں کا بیس سال تک کا زمانہ ہی آوارہ گردی کا زمانہ ہوتا ہے۔ اگر اس پروگرام پر جو میں نے بیان کیا ہے عمل کیا جائے تو طالب علموں پر آوارہ گردی کا زمانہ آ ہی نہیں سکتا۔ طالب علم کے سب فرائض کا خیال رکھا جائے اور والدین حتّی الاِمکان اس کے فرائض پورے کروانے کی کوشش کریں۔ اور مدرّسین صرف اِسی بات کا خیال نہ رکھیں کہ طالب علم اپنی کتابیں لے کر آیا ہے یا نہیں بلکہ اِس بات کا بھی خیال رکھیں کہ طالب علم وقت پر ورزش کے میدان میں آتا ہے یا نہیں۔ وہ سکول سے جاکر گھر پر سٹڈی (Study) کرتا ہے یا نہیں۔ اور اگلے سبق کا مطالعہ کرکے لاتا ہے یا نہیں۔ اصل میں بعض استاد خود تعلیم میں آوارہ مزاج ہوتے ہیں۔ نہ پچھلا سبق پوچھتے

ہیں نہ اگلا بلکہ کلاس میں آتے ہیں اور تقریر کر کے چلے جاتے ہیں۔ لڑکوں سے نہ پچھلا سبق پوچھتے ہیں اور نہ اگلے سبق کے متعلق کوئی سوال کرتے ہیں اور انہیں اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہوتی کہ ان کی جماعت کا نتیجہ اچھا نکلا ہے یا بُرا۔ ایسے آوارہ مزاج استاد دشمن ہیں اپنی قوم کے، دشمن ہیں اپنے ملک کے اور دشمن ہیں بنی نوع انسان کے۔ قیمتی سے قیمتی چیز اُن کے سپرد کی گئی لیکن انہوں نے اسے خراب اور ضائع کر دیا۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ بنی نوع انسان میں گھڑی سازوں کے خلاف تو بغاوت اور جوش پیدا ہو جاتا ہے لیکن ان کے بچوں کو استاد بگاڑ رہے ہوتے ہیں ان کے خلاف کسی کے اندر ذرا جوش پیدا نہیں ہوتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ماں باپ میں خود آوارگی ہوتی ہے اس لئے وہ خاموش رہتے ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ وہ اساتذہ سے نہیں پوچھتے کہ ہمارے لڑکے کے آوارہ ہونے کی وجہ کیا ہے۔ اور وہ یہ بھی نہیں پوچھتے کہ ہمارا لڑکا وقت پر سکول آتا ہے یا نہیں۔ گھر سے سکول کا کام کر کے لاتا ہے یا نہیں۔ کھیل میں باقاعدہ حاضر ہوتا ہے یا نہیں۔ باوجود اِس کے اُن کا لڑکا وقت کا اکثر حصہ ان کے پاس گزارتا ہے مگر وہ اس کو اپنی نگرانی میں سٹڈی نہیں کراتے اور اس کی نگرانی نہیں کرتے کہ وہ وقت پر نماز کے لئے جاتا ہے یا نہیں۔ میرے نزدیک ایسے استاد اور ماں باپ دونوں میں آوارگی کی روح ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہی نہیں کہ لڑکے کے آوارہ ہونے کی وجہ کیا ہے۔ کیونکہ والدین ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے استادوں سے وجہ پوچھی تو وہ ہمیں کہیں گے کہ لڑکا گھر پر سے سبق یاد کر کے نہیں آتا اور نہ سٹڈی کرتا ہے آپ کیوں اس کی نگرانی نہیں کرتے۔ اور اساتذہ والدین سے اس لئے نہیں پوچھتے کہ اگر ہم نے وجہ دریافت کی تو والدین کہیں گے کہ آپ اپنی ذمہ داری کس طرح ادا کر رہے ہیں۔ دونوں ہی چور ہوتے ہیں اور دو چور تو ایک دوسرے پر چوری کا الزام نہیں لگایا کرتے بلکہ سادھ ہی چور پر چوری کا الزام لگاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ طالب علم کی تعلیم بغیر ماں باپ اور استاد کی نگرانی کے مکمل نہیں ہو سکتی۔ اگر ان دونوں میں سے ایک غافل اور بے توجہ ہو تو لڑکے کی زندگی کے خراب ہونے کا بہت حد تک خطرہ ہوتا ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ اگر کسی کے گھوڑے کی کوئی شخص ٹانگ توڑ دے یا کسی کے بیل کا سینگ توڑ دے یا کسی کی بکری کے دانت توڑ

دے تو ایک ایسی لڑائی شروع ہو جاتی ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ لیکن بیسیوں ماں باپ ایسے ہیں کہ استاد ان کے لڑکوں کو آوارہ بناتے چلے جاتے ہیں اور وہ خاموشی سے بیٹھے دیکھتے رہتے ہیں اور ان کی طبیعت میں کوئی ہیجان پیدا نہیں ہوتا۔ اصل میں بات یہ ہے کہ انسان کو مفت مل جانے والی چیز کی قدر نہیں ہوتی خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔ والدین کو لڑکا بھی چونکہ مفت مل جاتا ہے اس لئے وہ اُس کی قدر نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ایک قیمتی امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سپرد کی ہے۔ ایک بکری جو پانچ دس روپے کو آتی ہے اُس کے چارے کا، اُس کی دوسری چیزوں کا خیال رکھتے ہیں لیکن اِس خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ حالانکہ مفت ملنے والی چیزیں بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہیں اُن چیزوں سے جنہیں انسان روپیہ دے کر خریدتا ہے مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جو چیز انہیں مفت مل جائے اُس کی قدر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے سب قیمتی چیزیں جن پر بنی نوع انسان کی زندگی کا دارومدار ہے مفت دی ہیں۔ لیکن اس کے مقابل پر بندوں کا طریق یہ ہے کہ وہ حقیر سے حقیر چیز کی جس کو وہ قیمتاً خریدیں قدر کرتے ہیں لیکن جو چیز انہیں مفت مل جائے اس کی پروا بھی نہیں کرتے۔ دیکھو پانی کتنی قیمتی چیز ہے۔ اگر پانی دنیا سے مٹ جائے تو لوگوں کا زندہ رہنا محال بلکہ ناممکن ہے۔ لیکن اگر شراب دنیا سے مٹ جائے تو دنیا کا کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا۔ مگر لوگ پچیس تیس روپے خرچ کر کے شراب کی ایک بوتل خرید لیتے ہیں اور اگر کوئی شخص انہیں پانی کی بوتل دو آنے کو دے تو ان میں سے کوئی بھی لینے کو تیار نہیں ہوگا۔ پھر پانی کے علاوہ زندگی کا دارومدار ہوا پر ہے۔ اگر ایک منٹ کے لئے بھی اِس کرّہ میں ہوا نہ رہے تو کوئی جاندار بھی سانس نہ لے سکے اور سب مر جائیں۔ باوجود اِس کے کہ ہوا ایک قیمتی نعمت ہے جو انسانوں کو عطا کی گئی ہے مگر کتنے لوگ ہیں جو یہ خیال کرتے ہوں کہ ہوا بھی قیمتی چیزوں میں سے ہے۔ لوگ عطر کی تولہ دو تولہ کی شیشی دس دس روپے کو خرید لیتے ہیں لیکن اگر ایک من ہوا اُن کو ایک پیسہ میں مل جائے تو وہ خریدنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ حالانکہ اگر ساری دنیا کے عطر جو اربوں ارب مَن ہوں پھینک دیے جائیں تو عطر کے نہ ہونے کی وجہ سے بڑا آدمی تو کیا ایک بچھو بھی نہیں مرے گا۔ لیکن وہ ہوا جو اِس مسجد میں ہے نہ رہے تو یہ تین ہزار کے

تین ہزار آدمی مر جائیں گے اور کوئی ایک بھی ان میں سے نہ بچ سکے گا اِس کے باوجود لوگ ہوا کی قدر نہیں کرتے۔ اور عطر جو ایک زائد شے ہے اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور بڑی بڑی قیمت ادا کر کے خریدتے ہیں۔ گو عطر لگانے کو تعیّش تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ حکم ہے کہ جمعہ کے دن ہر مسلمان خوشبو لگا کر مسجد میں آئے۔2 گو اِس وقت ہم میں سے تقریباً پانچ فیصدی نے اِس حکم پر عمل کیا ہو گا اور پچانوے فیصدی ایسے ہیں جنہوں نے اِس حکم پر عمل نہیں کیا ہو گا مگر بہر حال یہ ایک زائد چیز ہے اِس کے بغیر بھی انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ بے شک صحت کے لئے عطر مفید چیز ہے لیکن زندگی کے قیام میں اس کا کوئی دخل نہیں جیسے ہوا کا انسانی زندگی میں دخل ہے۔ بے شک عطر استعمال کرنا اچھی بات ہے لیکن اس کے ساتھ ہمارے پنجابی کو یہ خاص مہارت ہے کہ اس نے گھر میں بیس پچیس روپے کا عطر بھی رکھا ہوا ہوتا ہے اور گھر کے دروازے کے سامنے بچے کا پاخانہ بھی پھینکا ہوا ہوتا ہے۔ گھر والوں کا دماغ بھی اُس کی بُو سے سڑ رہا ہوتا ہے اور ساتھ ہی محلے والوں اور وہاں سے گزرنے والوں کا دماغ بھی اُس کی بُو سے پریشان ہوتا ہے۔ اِسی طرح گھر کا تمام کوڑا کرکٹ اٹھا کر دروازے کے سامنے پھینک دیتے ہیں تا کہ ہر ایک جو گزرے وہ اُس کی بُو سے پریشان ہو۔ اور جو مہمان آئے اُسے بھی اُس کی بُو سے حصہ ملے۔ لیکن اِن چیزوں کو دُور پھینکنا گوارا نہیں کیا جاتا۔ غرض بنی نوع انسان کی یہ عادت ہے کہ جو چیز اُنہیں قیمتاً ملے اُس کی قدر کرتے ہیں اور جو چیز اُنہیں مفت مل جائے اُس کی انہیں قدر نہیں ہوتی۔

کلامِ الٰہی کو ہی دیکھ لو کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا کلام نازل فرماتا ہے تو ساتھ نبی کو بھیج دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کی کیا ضرورت ہے لیکن اگر اُس کلام کو سنانے اور پڑھانے کے لئے نبی نہ آئیں اور لوگوں کو پیسے خرچ کر کے کلامِ الٰہی پڑھنا پڑے تو کوئی بھی اسکے پڑھنے کے لئے تیار نہ ہو۔ جب وہ مفت پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو ان سے یہ کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ پیسے دے کر پڑھ لیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام مفت پڑھاتے اور مفت سناتے تھے لیکن پھر بھی مخالف سننے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔ آج بھی لوگوں کی یہی حالت ہے کہ فلسفہ کی کتابیں اور ناول وغیرہ قیمتاً لے کر بڑے شوق سے پڑھتے ہیں

اور بے ہودہ اور لغو کتابوں پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کر دیتے ہیں لیکن قرآن خریدنا ان کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ حضرت خلیفہ اول ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے آپ فرماتے تھے میں نے ایک دفعہ ایک امیر آدمی کو نصیحت کی کہ قرآن مجید پڑھا کرو۔ کیونکہ ہر روحانی مرض کا علاج اِس میں ہے۔ میرے نصیحت کرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں سمجھا کہ اُس پر بہت اثر ہوا ہے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا کہ آپ مجھے قرآن مجید تحفہ کے طور پر دے دیں تو میں پڑھا کروں گا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ شخص لاکھوں روپے کا مالک ہے لیکن قرآن کے متعلق کہتا ہے کہ اگر تحفہ کے طور پر مل جائے تو میں پڑھ لوں گا۔

پس اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہے کہ اُس نے تمام قیمتی اشیاء مفت رکھی ہیں اور ان قیمتی چیزوں میں سے جو بغیر قیمت کے ملتی ہیں بچے بھی ہیں۔ مگر بہت تھوڑے لوگ ہیں جو بچوں کو قیمتی چیز سمجھتے اور اُن کی زندگی بنانے کی فکر کرتے ہیں۔ اگر اُن کی بھینس یا بکری بلکہ میں کہتا ہوں اگر مرغی بھی بیمار ہو جائے تو انہیں اُس کے علاج کا فکر لاحق ہوتا ہے۔ لیکن بچے کی زندگی بے شک خراب مجلسوں میں بیٹھ کر یا بری عادات میں پڑ کر یا اَن پڑھ رہ کر خراب ہو جائے اِس کی اُنہیں ذرا پروا نہیں ہوتی۔ اگر اُن کی بھینس کا دودھ سُوکھنا شروع ہو جائے تو سب گھبرا جاتے ہیں کہ پتہ نہیں بھینس کا دودھ کیوں سُوکھ رہا ہے گھر میں مشورے ہونے شروع ہو جاتے ہیں فلاں سے علاج پوچھو، فلاں کو بھینس دکھاؤ، فلاں قوم بھینسیں رکھتی ہے اُن سے مشورہ پوچھو۔ غرضیکہ گھر میں ایک بے چینی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن بچے کا دماغ سُوکھتا چلا جاتا ہے اُس کے لئے کسی کو فکر پیدا نہیں ہوتا کہ اُس کی حالت کی درستی کے لئے کسی سے مشورہ نہیں کیا جاتا اور اِس لاپرواہی کے نتیجہ میں بچوں کی زندگیاں خراب ہو جاتی ہیں۔ اگر گھر میں والدین بچوں کی نگرانی کی طرف توجہ کریں اُنہیں وقت پر سُلائیں، وقت پر جگائیں، نمازوں کے لئے انہیں مساجد میں بھیجیں، سکول میں انہیں وقت پر بھیجیں۔ اُدھر سکول میں اساتذہ توجہ کریں اور بچوں کو پڑھائی میں پورے طور پر مشغول رکھیں، کھیل کے وقت اُن کو کھیل میں مصروف رکھیں تو بچوں کی تعلیم و تربیت کا سوال بہت حد تک خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ بچوں کی تعلیمی حالت بھی اچھی ہو گی اور جسمانی لحاظ سے بھی وہ صحتمند ہوں گے۔ ہمارے ہاں پنجابی میں

ایک مثل ہے۔ ”نالے حج نالے بیوپار“۔ یہ حج کا حج ہو گا اور بیوپار کا بیوپار ہو گا۔ یعنی یہ تعلیم کی تعلیم اور تربیت کی تربیت ہو گی۔

تعلیم ایک ایسا استاد ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے بہت سے استاد بنالیتا ہے۔ جس کو پڑھنا آتا ہے کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں جا بیٹھتا ہے، کبھی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں جا بیٹھتا ہے، کبھی وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں جا بیٹھتا ہے، کبھی وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں جا بیٹھتا ہے، کبھی وہ سید عبد القادر کی صحبت میں جا بیٹھتا ہے۔ قرآن مجید پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محفل میں جا بیٹھتا ہے حدیث پڑھتا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں جا بیٹھتا ہے۔ فقہ کی کتاب پڑھتا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی محفل میں جا بیٹھتا ہے۔ تصوف کی کتاب پڑھتا ہے تو امام غزالیؒ کی محفل میں جا بیٹھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علمِ کلام پڑھتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں جا بیٹھتا ہے۔ حالانکہ یہ سب لوگ فوت ہو چکے ہیں لیکن یہ جب کتاب کھولتا ہے تو اُن سے روحانیت کی باتیں سیکھ لیتا ہے۔ پس کتنا فائدہ ہے پڑھا لکھا ہونے کا۔ جو انسان تعلیم یافتہ ہو اُس کے استادوں کی کثرت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ جس علم کی کتاب چاہتا ہے اُٹھا کر پڑھ لیتا ہے اور استادوں کی کثرت سے اس کے علم میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور علم کی وسعت سے اُس کے دماغ میں جِلا پیدا ہوتا ہے۔

پس پڑھائی نہ صرف ظاہری عزت کا باعث ہے بلکہ اخلاق پر بھی گہرا اثر ڈالتی ہے۔ اَن پڑھ آدمیوں میں بھی بہت سے اخلاص رکھنے والے ہیں۔ لیکن اَن پڑھ آدمی تعلیم یافتہ آدمیوں کی نسبت ٹھوکر زیادہ کھاتے ہیں۔ اور اگر کوئی اَن پڑھ آدمیوں کو بیدار کرنے والا نہ ہو تو اکثر نمازوں اور چندوں میں سُست ہو جاتے ہیں۔ لیکن تعلیم یافتہ لوگوں میں باہر جا کر باوجود اکیلا ہونے کے اخلاص قائم رہتا ہے۔ بلکہ باہر جا کر ان کے اخلاص میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ نمازوں اور چندوں میں سُستی نہیں دکھاتے۔ مثلاً اگر ایک اَن پڑھ آدمی جاپان چلا جائے تو وہ چندہ وغیرہ بھیجنے اور دوسری تحریکوں میں حصہ لینے میں سستی کرے گا کیونکہ وہ خود پڑھا لکھا نہیں اِس لئے اُسے چندہ بھیجنے میں دِقت ہو گی۔ اور بوجہ اَن پڑھ ہونے کے وہ سلسلہ کے

حالات کے متعلق آگاہ نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ وہ اخبار وغیرہ نہیں پڑھ سکتا اس لئے اُس کا دُور جانا اُس کے اخلاص میں کسی قدر کمی کا موجب ہو گا زیادتی کا موجب نہیں ہو گا۔ لیکن پڑھا لکھا آدمی دُور جاکر بھی قریب رہے گا اور سلسلہ کے حالات سے واقف رہے گا اور دُور جانے کی وجہ سے اُس کی صحت بھی بڑھے گی۔

پس ہماری جماعت کو میرے اِن خطبات کی طرف پورے طور پر توجہ کرنی چاہیے۔ اِس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ قادیان اور باہر کے خدام اور انصار اپنی اپنی جماعتوں میں تعلیم کی ترقی کے لئے کوشش کریں اور تمام جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنی اپنی جماعت کی فہرستیں مرتب کر کے مرکز میں بھیجیں۔ جب تک انسپکٹروں کا انتظام نہیں ہوتا ہم کیوں فارغ بیٹھیں۔ انسان کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، کون جانتا ہے کہ کل کس کس نے مر جانا ہے اس لئے میں تحریک کرتا ہوں کہ ہر ایک جماعت جلد سے جلد اپنی اپنی لسٹیں تیار کر کے ہمیں بھیجے۔ اِن فہرستوں میں اِن امور کا خاص طور پر ذکر کیا جائے کہ اس جماعت میں پانچ سے بیس سال تک کی عمر کے کتنے لڑکے ہیں۔ ان میں سے کتنے پڑھتے ہیں اور کتنے نہیں پڑھتے۔ اور جو پڑھتے ہیں وہ کون کونسی جماعت میں پڑھتے ہیں۔ اگر یہ انتظام جلدی ہو جائے اور لسٹیں جلدی تیار ہو کر آجائیں تو انسپکٹروں کا کام بہت آسان ہو جائے گا۔ اور اگر یہ فہرستیں صحیح طور پر تیار کی جائیں تو ہمیں ان سے اندازہ ہو سکے گا کہ ہماری جماعت میں کس حد تک تعلیم جاری ہے اور کس حد تک اصلاح کی ضرورت ہے۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ قادیان کی جماعت بھی اور بیرونی جماعتیں بھی جلد سے جلد اس امر کی طرف توجہ کریں گی۔"

(الفضل 5 نومبر 1945ء)

1: البقرة:256

2: بخاری کتاب الجمعة باب الدُّهْنُ بِالْجُمُعَةِ